

انسانی اخلاق کی چار بنیادیں

ہمارے نزدیک شاہ ولی اللہؒ حکیم و صدیق ہیں جنہوں نے سارے ادیان، مذاہب اور شریعتوں کا اصلاً ایک ہونا ثابت کیا اور پھر ان بنیادی اصولوں کا تعین بھی کیا جو ہر دین کا مقصود حقیقی تھے اور ہر مذہب اور شریعت ان کو پورا کرنا اپنا فرض سمجھتی رہی۔ شاہ صاحبؒ ”معانی“ میں لکھتے ہیں ”اس فقیر پر یہ بات روشن کی گئی ہے کہ تہذیب نفس کے سلسلے میں جو چیز شریعت میں مطلوب ہے، وہ چار خصلتیں ہیں۔ حق تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو انہی چار خصلتوں کے لیے بھیجا۔ تمام مل حقہ میں انہی چار خصلتوں کا ارشاد اور ان کے حاصل کرنے کی ترغیب و تحریر ہے۔“ ”بر“ یعنی بھلائی انہی چار خصلتوں کا حاصل ہے اور گناہ سے مراد وہ عقائد و اعمال اور اخلاق ہیں جو انہی چار خصلتوں کی ضد ہیں۔

ان چار خصلتوں میں سے ایک طہارت ہے۔ اس کی حقیقت اور اس کی طرف میلان ہر سلیم الفطرت انسان کے اندر ودیعت کیا گیا ہے۔ یہ گمان نہ کر لینا کہ یہاں طہارت سے مراد محض وضو اور غسل ہے بلکہ طہارت کا اصل مقصود وضو اور غسل کی روح اور ان کا نور ہے۔ جب آدمی نجاستوں میں آلودہ ہو اور میل کچیل اور بل اس کے بدن پر جمع ہوں، بول و براز اور ریح نے اس کے معدے میں گرانی پیدا کی ہو تو ضروری اور لازمی بات ہے کہ وہ انقباض، خشکی اور حزن اپنے اندر پائے گا۔ اور جب وہ غسل کرے گا اور زائد بالوں کو دور کرے گا اور صاف لباس زیب تن کرے گا اور خوشبو لگائے گا تو اسے اپنے نفس میں انشراح، سرور اور انبساط کا احساس ہو گا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ طہارت یہی وجدانی کیفیت ہے جو انس اور نور سے تعبیر کی جاسکتی ہے۔

دوسری خصلت اخبات (خدا تعالیٰ کے لیے خضوع) یعنی نہایت درجے کی عجز و نیاز مندی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ایک سلیم الفطرت شخص جب طبعی اور خارجی تشویشوں سے فراغت کے بعد صفات الہی، اس کے جلال اور اس کی کبریائی میں غور کرتا ہے تو اس پر ایک حیرت اور دہشت کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ یہی حیرت اور دہشت خضوع و خضوع یعنی نیاز مندی کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ دوسری خصلتوں میں ایک سوچنے والا

انسان جب کائنات کی اس مہمتی کو حل کرنے سے عاجز آ جاتا ہے اور اس عجز اور القوی کی حالت میں وہ کسی اور قوت کے سامنے اپنے آپ کو بے دست و پا پاتا ہے تو اس کی یہ بے دست و پائی اسے مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنے سے بلند تر کسی اور قوت کو مانے۔ ایک سائنس دان نے اسے مارے سے تعبیر کیا ہے، 'فلسفی نے اسے عقل کل مانا اور مذہبی اسے خدا کہتا ہے۔ بہر حال انسان کہیں نہ کہیں اس کائنات کے سامنے اپنے آپ کو ضرور مجبور پاتا ہے اور یہی مجبوری اسے خضوع کی طرف لے جاتی ہے۔

تیسری خصلت سہمت (فیاضی) ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ نفس طلب لذت، حب انتقام، بخل اور حرص وغیرہ سے مغلوب نہ ہو۔ اس کے ذیل میں عفت، جدوجہد، صبر و عفو، سخاوت، قناعت اور تقویٰ تمام آ جاتے ہیں۔ شکور فرج (شرمگاہ) کی خواہش کے قبول نہ کرنے کا نام عفت ہے۔ آسائش اور ترک عمل کی خواہش کو قبول نہ کرنے کا نام جدوجہد ہے اور جزع و فزع (رونا پھٹنا) کو روکنا صبر ہے اور انتقام کی خواہش کو دہانا عفو اور خواہش بخل کو چھوڑ دینے کا نام سخاوت اور حرص کو قبول نہ کرنا قناعت ہے۔ شریعت کی بنائی ہوئی حدود سے تجاوز نہ کرنا تقویٰ ہے۔

چوتھی خصلت عدالت ہے۔ سیاسی اور اجتماعی نظاموں کی روح رواں یہی خصلت ہے۔ ادب، کفایت، حریت، سیاست مدنیہ اور حسن معاشرت وغیرہ سب عدالت کی شاخیں ہیں۔ اپنی حرکات و سکنات پر نگاہ رکھنا، عمدہ اور بہتر وضع اختیار کرنا اور دل کو ہمیشہ اس کی طرف متوجہ رکھنا ادب ہے۔ جمع اور خرچ، خرید و فروخت اور تمام معاملات میں عقل و تدبیر سے کام لینا کفایت ہے۔ خانہ داری کے کاموں کو بخوبی انجام دینا حریت ہے اور شہروں اور لشکروں کا اچھا انتظام کرنا سیاست مدنیہ ہے۔ بھائیوں میں نیک زندگی بسر کرنا، ہر ایک کے حق کو پہچاننا اور ان سے الفت و بشاشت سے پیش آنا حسن معاشرت ہے۔

یہی چار اخلاق ہیں جن کی تکمیل سے انسانیت کو ترقی ملتی ہے اور ان کے چھوڑنے سے انسان قعر مذلت (ذلت کے گڑھے) میں گرتا ہے، اس دنیا میں جتنے بھی تمدن بنے اور جس قدر بھی فکری ادارے قائم ہوئے اور جو بھی شریعتیں معرض وجود میں آئیں، اگر ان کے پیش نظر انسانوں کو اٹھانا اور ان کی حالت کو درست کرنا تھا تو انہوں نے انہی چار اخلاق کو سنوارنے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں اسلام، عیسائیت اور یہودیت کا معاملہ تو بالکل ظاہر ہے لیکن اگر چینی فلسفہ اخلاق، ہندوؤں کے مذہبی فکر، ایرانیوں کے نظام حیات، یونانیوں کی حکمت اور قدیم مصر کے فلسفہ اخلاق کو دیکھیں تو ان کی صورت میں ان

چار اخلاق کی درستی اور ان کی ضدوں سے بچنے کی تاکید ملے گی۔ ایرانی حکم بزرگ
اقوال، افلاطون کا اپنی کتاب ”ریاست“ میں عدالت کو زندگی کی بنیاد ثابت کرنا، قدیم مصریوں
کا مذہبی صحیفہ ”کتاب الموتی“ کے ارشادات، ہندوؤں کے ویدوں اور گیتا کا پر حکمت کلام اور
چینیوں کے اخلاقی فلسفے ”کنفوشس“ کی تعلیمات ان سب کا حاصل کم و بیش یہی تھا کہ
انسانیت کے ان چار بنیادی اخلاق کو ترقی دی جائے اور تمام رسول اسی لیے مبعوث ہوئے
اور تمام حق شناس حکیم اور صدیق اپنی اپنی قوموں کو یہی پیغام سناتے رہے۔

لہذا اگر ہم اس حقیقت کو سمجھ جائیں تو پھر مسلمانوں اور غیر مسلموں کے نظریہ اخلاق
میں اصولی نزاع نہ رہے گا اور ہم میں فراخ دلی اور رواداری بھی پیدا ہو جائے گی۔ بے
شک سلاج کے چھوٹے طبقوں میں تو چپقلش موجود رہے گی، لیکن ایسے ہی جیسا کہ ایک ہی
ملت کے مختلف فرقوں میں مخصوص رجحانات اور استعدادوں کی بنا پر ذہنی اور مذہبی اختلافات
ہوتے ہیں لیکن جہاں تک اصحاب عقل و رشد کا تعلق ہے، ان کو آفتاب نبوت سے پھوٹی
ہوئی شعاعوں اور حکیم کے دماغ سے نکلے ہوئے اخلاقی نظام میں فرق مراتب تو ضرور نظر آئے
گا، لیکن وہ دونوں کو ایک دوسرے کی ضد نہ سمجھیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ صالح غیر
مسلم اور صالح مسلمان ایک دوسرے کی خوبیوں کو بحیثیت انسان کے نظر انصاف سے جانچنے
کے قابل ہوں گے۔

ہمارے خیال میں یہ تصور کل بنی نوع انسان کو موجودہ خلفشار سے نکال سکتا ہے۔ ہر
قوم کے عقل مند طبقوں کا رجحان اب اس طرف ہو رہا ہے اور وہ کوشش کر رہے ہیں کہ
اپنے اپنے فکری نظاموں کو عالم گیر انسانیت کا ترجمان بنا کر پیش کریں لیکن کس قدر افسوس
کا مقام ہے کہ وہ دین جو صحیح معنوں میں ساری انسانیت کا دین تھا اور وہ کتاب جو کل نوع
انسانی کی ہدایت کی علمبردار تھی اور وہ ملت جس نے سب قوموں کو ایک بنایا اور جس کا تمدن
ساری انسانیت کی ”باقیات صالحات“ کا مرقع تھا، وہ دین، وہ کتاب اور وہ ملت اور اس کا تمدن
ایک فرقے کی جاگیر بن گیا ہے اور وہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ اس وسعت پذیر دور میں جس
میں کہ کرہ زمین کی سب دوریاں سکڑ گئی ہیں، ملکوں، قوموں اور برا غظموں کی سرحدیں سنٹی
جاری ہیں، ریل، جہاز، طیاروں اور ریڈیو نے سب انسانوں کو اپنی کہنے اور دوسروں کی سننے
کے لیے ایک انسانی برادری میں بدل دیا ہے۔ اس زمانے میں ایسی تعلیم کو جو صحیح معنوں میں
عالم گیر اور انسانی تھی، ایک گروہ اور جماعت میں محدود کر دینا کتنا بڑا ظلم ہے۔ معلوم نہیں
مسلمان اسلام کو کس طرح سمجھتے ہیں؟